اجتماعی انسانی لاشعور اور آگ

ڈاکٹر روحینہ جعفری
شعبۂ اردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی لاہور۔

Abstract

The element of "fire"has always been a source of interest for human being .The concept and rituals about the element "fire" have amazing similarities throughout the world.The ideas of usefullness,fertality and purity are linked to "fire".That is why a ,bird's eye view of language and literature,reveals the thoughts and feelings of the writers and poets.They have been using the dimensions of fire effectively.This article is a study of various features of the concepts of "fire"in mythology,religon and literature

آگ ہر دور کے انسان کے لیے توجہ اور دلچسپی کا باعث رہی ہے۔یہی وجہ ہے کہ دنیا کے قدیم ترین مذاہب سے لے کر، دینِ اسلام تک میں آگ کا تذکرہ بڑے تواتر کے ساتھ ملتا ہے۔اس کو مختلف اشیاء کی اہمیت ،ماہیت اور شدت کے اظہار کے لیے بطورِ مثال لایا گیا ہے۔اسی تاثر کا نتیجہ ہے کہ آگ اور اس کے متعلقات کا بیان شاعری میں خصوصاً اور دیگر اصنافِ ادب میں عموماً ہوتا آیا ہے۔شاعر، جو کہ ایک حساس طبیعت کا حامل ہوتا ہے عام لوگوں کی نسبت اس سے زیادہ گہرا تاثر قبول کرتا ہے۔لہٰذا شاعری میں آگ کے حوالے سے عجیب وغریب اور نادرِ روزگار تمثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔مثلاً شیکسپیر کے ڈرامے "OTHELLO " کی یہ لائنیں ملاحظہ ہوں:

"O cursed ,slaves! whipe
me ,ye devils from the possession
of this heavenly sight!blow me
about in winds!roast me in
sulphur!wash me in steap down
gulfs of liquid fire!"
O Desdemona! O Desdemona! " No.1

اسی طرح ڈراما KING LEAR میں cordelia اور king lear کے درمیان یہ مکالمہ

Cordelia: how does my royal loard? how fared your majesty ?
Lear: you do me wrong to take
me out o,h the grave; thou
art a soul me in bliss ; but,
am bound upon a wheel
of fire, .that mine own tears
do seald like molten lead" No.2

ان لائنوں میں آگ سے متعلق بڑی نادر اور خوبصورت تمثالیں موجود ہیں خاص طور پر "gulfs of liquid fiire " اور "wheel of fire" کے ذریعے نہایت متاثر کن تصویریں سامنے آتی "gulfs of liquid fire" سے ملتی جلتی تمثال میر انیس کے ہاں بھی ملتی ہے

پانی تھا آگ گرمیِ روزِ حساب تھی
ماہی جو سیخِ موج تک آئی کباب تھی ۳

انگریزی میں شیکسپیر کے ہاں آگ اور اس کے متعلقات کے استعمال کے حوالے سے ولسن نائٹ نے شکسپیر کے فن پر The wheel of fire کے نام سے کتاب لکھی، اور اردو میں غالب کے ہاں اسی موضوع پر این میری شمل نے A Dance of sparks in Ghalib,s poetry کے نام سے۔ کتابوں کے ناموں ہی سے ان فنکاروں کے ہاں فکر و خیال اور جذبات و احساسات کے ابلاغ کے لیے آگ کے طرزِ استعمال کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ غالب کے ہاں سے کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں

آتش پرست کہتے ہیں اہلِ جہاں مجھے
سرگرمِ نالہ ہائے شرر بار دیکھ کر ۴
یک قلم کاغذِ آتش زدہ ہے صفحۂ دشت
نقشِ پا میں ہے تبِ گرمیِ رفتار ہنوز ۵
جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اک بار جل گئے
اے نا تمامیِ نفسِ شعلہ بار حیف ۶

اسی طرح ہر دور کے زبان و ادب میں اس تند و تیز اور چمکدار عنصر سے تشبیہات، استعارات اور تمثالیں اخذ کی گئی ہیں، اور تاثر و معنویت کے نت نئے در وا کیے گئے ہیں۔ اس حوالے سے اگر مجموعی طور پر اردو شاعری کا جائزہ لیا جائے تو بڑے دلچسپ نتائج مرتب ہو سکتے ہیں، کیوں کہ فارسی شاعری میں اس اعتبار سے زرتشتی اثرات

بھی شامل ہو گئے ہیں،اور اسی کے تتبع میں اردو شاعری کی بنیاد قائم ہوئی۔کلاسیکی اردو شاعری سے کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں

ولی تجھ سوز میں اے آتشیں خو
سراپا ہے برنگِ شعلہ بیتاب ہے
دل ہے میرا وہ آتشیں پیکر
راکھ ہو جائے جس کو دیکھ شرر ۸
آتش بلند دل کی نہ تھی ورنہ اے کلیم
یک شعلہ برقِ خرمنِ صد کوہِ طور تھا ۹
چشمۂ آب نہ ہو چشمۂ خورشید سے کم
شعلہ رو !تو کبھو منہ دیکھے اگر پانی میں ۱۰

آگ اور اس کے متعلقات ہر دور اور ہر خطے کے انسان کے لیے جلبِ توجہ کا باعث ہیں۔یہاں اساطیر و مذاہب کے حوالے سے انسان کے اجتماعی لاشعور میں آگ کی اہمیت کے حوالے سے مرتبہ ایک جائزہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔تاریخِ انسانی پرنظر ڈالیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ انسان نے اشیاء وعناصر کو دو حوالوں سے اہمیت دی ہے،ایک خوف،اور دوسرے فیض رسانی۔یہی وجہ ہے کہ دورِ اساطیر میں انسان نے جن چیزوں کو دیوتا کا درجہ دیا ہے،ان میں یا تو ہیبت وجلال کی خاصیت موجود تھی،یا پھر فیض ومہربانی کی۔انھی عناصر میں ایک عنصر آگ بھی ہے،جو بیک وقت فیض رساں بھی ہے اور جلا کر راکھ کر دینے کی صلاحیت کی حامل بھی۔یہی وجہ ہے کہ اس عنصر سے انسان سب سے بڑھ کر متاثر ہوا۔جہاں تک آگ سے انسان کے اولین تعارف کا تعلق ہے مختلف علاقوں کے اساطیر میں اس حوالے سے مختلف کہانیاں ملتی ہیں،اور دلچسپ بات یہ ہے کہ مشرق ومغرب کی دیو مالا میں آگ سے متعلق تصورات میں حیرت انگیز مماثلت پائی جاتی ہے۔ان کہانیوں کے مطابق آگ زمین پر یا تو آسمانوں سے لائی گئی یا پاتال سے،یا پھر سمندروں کی تہوں سے۔یعنی پہلے پہل زمین پر آگ کا وجود نہیں تھا اور یہ کسی نہ کسی خاص ذریعے سے انسان تک پہنچی۔مطلب یہ کہ ایک دور ایسا بھی گزرا ہے کہ جب انسان کو آگ کے بغیر ایک مشکل زندگی بسر کرنا پڑی۔آرزو چوہدری اس حوالے سے مختلف علاقوں کی اساطیر کے تناظر میں لکھتے ہیں:

بعض کہانیوں میں آگ کا مالک،جس سے آگ انسانوں کے لیے مستعار لی گئی ہے،اسے تیار کرتا اور اپنے جسم میں رکھتا تھا۔(نورانو گینیا،)دنیا میں آگ ایک دیوتا لایا،(نیوزی لینڈ،کیتھم جزائر،کارکوئیس)

ایک سانپ لایا (ایڈ میر یلٹی جزائر، کوئنز لینڈ)، کنگرو کی قسم کا ایک جانور لایا (ارنٹا)، وکٹوریا کے ایک قبیلے کے نزدیک آگ کو انسان آسمان سے لایا، یہ پاتال سے لائی گئی (نیو بریٹن، نیو گینیا، پولی نیشیا) [۱۱]

اکثر کہانیوں میں کوئی دیوتا یا کوئی اہم شخصیت آگ کو انسان کے فائدے کے لیے زمین پر لاتی ہے ،مثلاً نیوزی لینڈ اور جزائر ہوائی میں آگ لانے والے شخص کا نام MA-UI بیان کیا جاتا ہے۔ کہانی کے مطابق وہ اپنی ماں کا پانچواں بچہ تھا، جس کی کفالت کے لیے ماں کے پاس وسائل موجود نہ تھے، چناں چہ اس نے اسے اپنے کٹے ہوے بالوں میں باندھ کر سمندری لہروں کے سپرد کر دیا۔ ابھی جب وہ سمندر میں ڈوبا نہیں تھا تو ایک مچھلی (جیلی فش) نے اسے اپنے پاس رکھ لیا۔ بعدازاں جب سمندری دیوتا کو اس کی خبر ملی تو وہ اسے اپنے گھر لے گیا۔ سمندری دیوتا کے ہاں اس کی پرورش ہوئی۔ ابھی وہ لڑکا ہی تھا کہ وہ دوبارہ اپنی ماں کے ملک واپس چلا گیا۔ یہاں اس نے اپنے بھائیوں اور ماں کو دیکھا جو ایک پرسکون زندگی گزار رہے تھے۔ ایک دفعہ اس نے دیکھا کی اس کے بھائی لکڑیوں کے تیر بنا کر گھر کے باہر لگی باڑھ پر پھینک رہے تھے، مگر ان کے اکثر تیر باڑھ کو چھوئے بغیر راستے ہی میں گر جاتے۔ وہ بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ لکڑی کے تیر بنا کر کھیلنے لگا۔ اس نے اپنے تیر پر منتر پڑھا تو وہ زیادہ نوکیلا اور بھاری ہو گیا اور وہ دور تک بھی گیا، جس سے سامنے والی باڑھ میں بڑا سوراخ بن گیا، اس کی ماں نے سب کو ڈانٹا اور اپنے چاروں بیٹوں کو لے کر گھر چلی گئی۔ مگر بعد میں جب اس نے اس لڑکے پر غور کیا تو اسے لگا کہ اس میں وہ ساری قوتیں موجود تھیں جو اس کے باپ میں بھی تھیں ۔ وہ اس کو بھی ساتھ لے گئی اور یہ اپنے گھر والوں کے ساتھ رہنے لگا ۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب پرندے انسانوں کو نظر نہیں آتے تھے اور وہ صرف ان کی آواز سن سکتے تھے۔ MA-UI نے منتر پڑھا تو پرندے دکھائی بھی دینے لگے۔ اب لوگ پرندوں کی مدھر آوازوں کے ساتھ ساتھ ان کے خوب صورت رنگوں سے بھی لطف اندوز ہو سکتے تھے۔ یہ سب کام اس وقت کے ہیں جب MA-UI ابھی لڑکا ہی تھا، اور انسان ابھی آگ کے بغیر زندگی گزار رہا تھا۔ MA-UI کی ماں آگ کے بارے میں سب جانتی تھی ۔ یہی وجہ تھی کہ اسے HINA OF THE PIRE کہا جاتا تھا۔ جزیرے کے رہنے والے لوگ آگ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ آگ کے نہ ہونے کی وجہ سے انہیں کچی سبزیاں اور کچی مچھلیاں کھانا پڑتی تھیں۔ MA-UI اپنے لوگوں کے لیے آگ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اگر چہ اس کی ماں آگ کے بارے میں سب جانتی تھی، مگر خود اسے آگ کے حصول کے لیے بہت صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں، چناں چہ وہ ان کی خاطر تحت الثریٰ میں اترا اور وہاں سے آگ کی تلاش کے لیے بالائی دنیا تک گیا، اور آخرکار آگ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

نیوزی لینڈ میں اسی کردار کے بارے میں ذرا مختلف کہانی ملتی ہے۔ جس کے مطابق وہ تحت الثریٰ میں اترا اور اپنی جدۂ اعلی سے ملا، جب اس نے اپنی دادی سے آگ طلب کی تو اس نے اپنی انگلی کا ایک ناخن اتار کر دے دیا، اس ناخن میں آگ جلتی تھی۔ وہ اس کو لے کر اوپر آیا، مگر پانی کی

ایک ندی پار کرتے ہوئے ناخن اس میں جا گرا۔وہ دوبارہ دادی کے پاس گیااور دادی سے ایک اور ناخن لے آیا،مگر وہ بھی اس ندی کی نذر ہوگیا،اور بار بار ایسے ہی ہوتا رہا،یہاں تک کہ اس کی دادی کے ہاتھوں کے تمام ناخن ضائع ہو گئے۔اب وہ غصے میں آ گئی اور اس نے اپنے پاؤں کا ناخن اتارا،مگر اسے دینے کے بجائے نیچے گرا دیا۔آگ اس کے ناخن سے نکلی اور ہر چیز پر پھیلتی چلی گئی،جنگلوں میں شعلے اٹھنے لگے۔MA-UI اوپر کی طرف دوڑا،ہر طرف آگ پھیلی ہوئی تھی، اس نے ایک منتر پڑھا،جس کے نتیجے میں بارش برسنے لگی اور آگ بجھ گئی،اور اس کی دادی پانی میں ڈوبنے لگی۔دادی نے جب دیکھا کہ آگ بجھ رہی ہے،تو اس نے آگ کے دہکتے کوئلوں کو جمع کرنا شروع کر دیا اور انھیں مختلف درختوں کی چھالوں میں چھپا دیا۔اب بارش انھیں بجھا نہیں سکتی تھی۔MA-UI یہ سب نہیں دیکھ سکا۔مگر اس کی ماں جانتی تھی کہ اس کی دادی نے آگ کہاں چھپائی ہے۔اور اگر فرض کیا کہ وہ بھی نہیں جانتی تھی تو کم از کم اس کے (مقدس) پرندے ضرور یہ بات جانتے تھے۔وہ اس قابل تھے کہ چھال کو درختوں پر سے اتار کر رگڑیں اور آگ جلا سکیں ۔MA-UI نے بڑی مشکلوں سے ان پرندوں سے آگ جلانے کا طریقہ معلوم کیا اور انسانوں کے سپرد کر دیا۔ ۱۲

اس کہانی کے مطابق انسان،آگ درختوں کی چھال کو باہم رگڑنے سے حاصل کرتا تھا۔قرآن مجید میں بھی ایک مقام پر سورۂ یٰسین میں خدا کے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے درختوں ہی کے ذریعے آگ حاصل کرنے کا ذکر کیا گیا ہے

الذی جعل لکم من الشجرالاخضر نارًفاذا انتم منه توقدون

ترجمہ:''جس نے تمہارے لیے ہرے درخت سے آگ پیدا کی کہ تم اس سے سلگاتے رہتے ہو۔

بعض تفاسیر میں ان درختوں کے نام مرخ اور عفار بتائے گئے ہیں۔کہا جاتا ہے کہ عرب کے صحراؤں میں اب بھی یہ درخت پائے جاتے ہیں،جنہیں رگڑ کر آگ جلائی جاتی ہے۔علاوہ ازیں ہندوستان اور ایران میں عبادت گاہوں کے اندر پوجا کے لیے جو آگ جلائی جاتی تھی،وہ بھی لکڑیوں ہی کی رگڑ سے پیدا کی جاتی تھی.

انسان کے لیے آگ لانے سے متعلق ایک واقعہ یونانی دیو مالا میں بھی ملتا ہے۔آگ لانے والے شخص کا نام پرومیتھیس ہے۔اس کے آگ لانے کے بارے میں دو روایات ملتی ہیں۔ایک روایت کے مطابق جب دنیا پورے طور پر وجود میں آ چکی،اور بعد از مرگ جزا اور سزا کا فیصلہ ہو چکا،تو اب اس میں صرف ایک اشرف المخلوقات کی کمی تھی،اور یہ انسانی تخلیق کا بہترین موقع تھا۔ دیوتاؤں نے یہ فریضہ پرومیتھیس اور اس کے بھائی اپی میتھیس کو سونپا۔پرومیتھیس عقل دانش میں بے مثال،اور اس صفت میں دیوتاؤں سے بھی بڑھ کر تھا،جب کہ اس کے برعکس اس کا بھائی

انتشار پسند تھا۔ پرومیتھیس نے زمین سے مٹی اٹھائی اور دیوتاؤں کی صورت کا ایک سیدھا سادا ڈھانچہ تیار کر دیا۔ اسی لیے انسان آسمان کی طرف دیکھتا ہے، جب کہ باقی تمام جانوروں کے چہرے زمین کی طرف ہیں۔ جب یہ ڈھانچہ تیار ہو چکا تو آتھنی (ATHINE) نے اس میں روح حیات پھونکی۔ انسان کے ساتھ ساتھ جانوروں کو ضروریاتِ زندگی مہیا کرنے کی ذمہ داری بھی انہی دو بھائیوں کے سپرد تھی۔ اپی میتھیس نے تمام جانوروں کو قوت، توانائی، پھرتی، فراست اور چلاکی عطا کر دی۔ کسی کو پر اور شہ پر، کسی کو پنجے، کسی کو خول بخشا اور جب انسان کی باری آئی تو اس کے پاس کچھ نہ بچا۔ اس نے حیران نظروں سے بھائی کی طرف دیکھا اور انسان کی تمام تر ذمہ داری اس پر ڈال دی۔ پرومیتھیس انسان کو تمام جانوروں سے ارفع دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ سوچتا رہا ، اور پھر اس نے انسان کو سنوارنا شروع کر دیا۔ آتھنی کی مدد سے وہ آسمانوں پر گیا ، اس نے سورج کے روشن رتھ سے مشعل جلائی اور آگ کو لے کر واپس زمین پر آ گیا۔ اس نے یہ آگ انسانوں کو سونپ دی۔ وہ آگ جو انسانوں کی محافظ اور نگہبان ہے۔ جو ہر شے سے افضل اور بلند ہے۔ اب انسان کو پر اور شہپر، قوت وجسامت اور طراری کی ضرورت نہ رہی۔ اب وہ آگ سے اپنا تحفظ کر سکتا تھا۔ [۱۳]

دوسری روایت کے مطابق اولمپس میں جلوہ فگن خداؤں نے انسانی نسل پیدا کی ، یہ سنہری نسل تھی اور خداؤں سے قریب تر تھی۔ انہیں ہمیشہ بہار کا موسم، اور بغیر محنت کے تمام سہولتیں میسر تھیں۔ جب یہ نسل گزر گئی تو انھوں نے روپہلی نسل پیدا کی۔ یہ نسل روحانی اور جسمانی طور پر پہلی نسل سے کم تر تھی۔ ان کو دیا گیا موسم بھی سخت تھا ۔یعنی سردی، گرمی اور خزاں وغیرہ وجود میں آئے۔ جب اس نسل کے افراد نے بھی آپس میں جھگڑنا شروع کر دیا، تو دیوتاؤں نے سزا کے طور پر یہ نسل ختم کر دی۔ زئیس نے ایک اور نسل، یعنی کانسی کی نسل تخلیق کی یہ نسل قد کاٹھ میں بڑی مضبوط تھی، اور خوفناک بھی۔ ان کے سب ہتھیار اور لباس کانسی کے تھے۔ انھوں نے اپنے انہی ہتھیاروں سے ایک دوسرے کو کاٹ ڈالا۔ اس نسل کے خاتمے کے بعد دیوتاؤں نے ایک اور نسل، لوہے کی نسل پیدا کی، جس سے موجودہ انسان تعلق رکھتا ہے۔ ہمارے پاس نہ سنہری نسل کی سی روحانیت اور آسائشیں تھیں، نہ ہی روپہلی نسل کی طرح سادگی، اور نہ ہی وہ قد وقامت، جو کانسی کی نسل کے پاس تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں زیادہ محنت کرنا پڑتی ہے، اور ہمیں بڑھاپا بہت جلد آ لیتا ہے، مگر جتنے غمگین ہم آج ہیں، ایک زمانے میں اس سے بھی زیادہ تھے۔ ہمیں کمزور ہتھیاروں سے سنگلاخ زمین پر محنت کرنا پڑتی تھی پھر ہم میں ہمدردی اور عدل وانصاف بھی بہت کم تھا۔ اس مرتبہ پھر زئیس نے سوچا کہ چوتھی نسل کو بھی ختم کر دے۔ مگر پرومیتھیس اس نسل کو یوں ختم ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس نے اس نسل کے کچھ افراد کو بچانے کا فیصلہ کر لیا۔ زئیس پانی کے عذاب کے ذریعے اس نسل کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ پرومیتھیس نے ایک انصاف پسند شریف النفس جوڑے پائرہ اور ڈیولیکین کو زئیس کا منصوبہ بتایا اور ایک جہاز تیار کرنے کی ہدایت کی

۔زئیس کے حکم سے تمام سمندر زمین پر الٹ دیے گئے، بارش برسانے والی ہواں کو مکمل آزادی دے دی گئی، ہر طرف سیلاب اٹھنے لگا اور ڈیولیکین اور پائرہ کے سوا سب کچھ فنا ہو گیا۔ جب سیلاب تھما اور یہ دونوں جہاز میں سے کود پڑے تو انھیں دیکھ کر زیئس کو بہت غصہ آیا، مگر جب اس نے دیکھا کہ یہ دونوں مہربان، انصاف پسند، اور دیوتاؤں کے لیے تعظیم کے جذبات رکھتے ہیں، تو اس نے انہیں چھوڑ دیا۔ زمین ان کی اولاد سے پھر آباد ہونے لگی۔ پرومیتھیس نے زمین پر انسانوں کو محبت کی نظر سے دیکھا، مگر اس نے دیکھا کہ ان کا کام بہت مشکل ہے۔ انہیں تھوڑے فائدے کے لیے زیادہ محنت کرنا پڑتی ہے۔ وہ راتوں کو اپنے گھروں میں ٹھٹھر جاتے ہیں، اور دن میں چلنے والی ہوائیں انہیں پہیوں کی طرح گھما کر رکھ دیتی ہیں۔ اس نے سوچا اگر انہیں وہ عنصر دے دیا جائے جس کے بارے میں صرف دیوتا جانتے تھے، (یعنی آگ) تو وہ اپنے لیے بہتر ہتھیار تیار کر سکتے ہیں، اور گھر بنا سکتے ہیں، جو انہیں ٹھٹھرا دینے والی ہواں سے محفوظ رہنے میں مدد دیں، اور اس کے تیز اور چمکدار شعلوں سے وہ خود کو سردی سے بچا سکیں، دیوتا اس پر راضی نہیں تھے، مگر پرومیتھیس اس کام پر تل گیا۔ اس نے زئیس کی قربان گاہ سے آگ چرائی اور اس کو سونف کے تنے میں چھپا کر انسان کے پاس لے آیا۔ آگ سے انسان مضبوط ہتھیار بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ جن کی مدد سے اسے کم محنت سے زیادہ فائدہ ہونے لگا۔ اس نے کلہاڑوں سے جنگل کاٹ کر شہر بسا لیے، اور زمین پر غلہ کاشت کرنے لگا۔ اس نے رہنے کے لیے گھر بنا لیے اور ایک آسان زندگی گزارنے لگا۔ زئیس نے انسان کو تو چھوڑ دیا، جس کے پاس آگ تھی، البتہ پرومیتھیس جس نے قربان گاہ سے آگ چرائی تھی اسے نہیں چھوڑا۔ اس نے پاتال میں مختلف دیوتاؤں کو بلا کر اس کے لیے یہ سزا تجویز کی کہ پرومیتھیس کو خوفناک بلاؤں کے ساتھ گہرے غاروں میں چھوڑ دیا جائے، جہاں ایک گدھ مسلسل اس کے جگر کو اپنی تیز چونچ کے ساتھ نوچتا رہے۔ [۱۴]

جاپان میں انہی روشنی اور حرارت کی خصوصیات کی بنا پر سورج دیوتا کی حیثیت رکھتا ہے۔ جاپانی دیو مالا کے مطابق سورج کی دیوی نہایت حسین اور چمکدار ہے۔ اس نے خالقِ عظیم کی بائیں آنکھ سے جنم لیا ہے، جب کہ اس کے بھائی سیلاب نے خالقِ عظیم کے نتھنے سے۔ سورج کی دیوی کو رہنے کے لیے جنت کا ایک ٹکڑا عطا کیا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ زمین کا تمام اختیار بھی اسی کے سپرد کر دیا گیا، جب کہ سیلاب کے دیوتا کو رہنے کے لیے سمندر کا علاقہ دیا گیا اور سمندروں کا اختیار بھی اس کے حوالے کیا گیا۔ سورج کی دیوی کا نام ''ایماٹی راسو'' اور پانی کے دیوتا کا نام ''سوسا نوؤ'' تھا۔ سورج کی دیوی زمین پر پرورش پانے والی تمام اشیا کا بہت خیال رکھتی تھی۔ خاص طور پر عبادت گاہوں کا، جو لوگوں نے کٹائی کی تقریبات منعقد کرنے کے لیے تعمیر کی تھیں۔ سیلاب کے دیوتا نے ایک مرتبہ اپنا علاقہ چھوڑ دیا اور شور مچاتا ہوا خشک علاقے میں داخل ہو گیا، اور ان تمام چیزوں کو تہس نہس کر دیا ، جن کی پرورش اس کی بہن نے کی تھی، اور وہ تمام حصار بھی توڑ دیے جو لوگوں نے برائی کی قوتوں سے حفاظت کے لیے تعمیر کیے تھے، اور واپس اپنے علاقے میں چلا

گیا۔ایسا دو مرتبہ ہوا، پہلی مرتبہ طاقتور دیوتا کے کہنے سے دونوں میں صلح ہوگئی، سورج کی دیوی نے بڑی مشکل سے اس تباہی پر قابو پایا، مگر جب ایک مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا، تو اب کے دیوی ناراض ہو کر ایک غار کے اندر روپوش ہوگئی۔اس پر آٹھ ملین دیوتاؤں پر گھبراہٹ طاری ہوگئی، انھوں نے ابدی سرزمین سے تمام خوش آواز پرندوں کو اکٹھا کیا اور غار کے باہر آگ جلائی، اس روشنی سے مزید پرندے بھی آنے لگے۔ دیوتاؤں نے UZUME دیوی کو رقص کے لیے کہا۔اس کے رقص پر تمام دیوتا بہت خوش ہوئے اور ہنسنے لگے۔ان کی ہنسی اور پرندوں کے بلند بانگ گانوں سے فضا بھر گئی۔''ایماٹی راسو'' یہ آوازیں سن کر حیران ہوئی کہ اس کی عدم موجودگی میں اتنی خوشیاں کیسے منائی جا سکتی ہیں۔اس نے انگلی سے غار میں ایک سوراخ بنایا اور اس میں سے دیوی دیوتاؤں کو رقص کرتے اور ہنستے ہوئے دیکھا۔یہ دیکھ کر وہ خود بھی ہنس دی اور دیوتاؤں کی کوششوں سے وہ دوبارہ زمین پر آنے کے لیے راضی ہوگئی، یوں فوری طور پر دنیا روشن ہوگئی۔برائی کی قوتیں دنیا سے نکل گئیں، پرندے چہچہانے لگے، فصلیں کاٹی جانے لگیں اور کٹائی کی تقریبات پھر سے منعقد ہونے لگیں۔عبادت گاہیں پھر سے نہ ٹوٹنے کے لیے کھڑی ہوگئیں، طوفان کا دیوتا پھر سے اپنے علاقے تک محدود ہوگیا۔البتہ اس کی اولاد ابھی آٹھ جزیروں کی حاکم تھی۔سورج کی دیوی نے چاہا کہ اپنے پوتے کو ان جزیروں کی حکومت دے، اس کا پوتا آیا اور اس نے جزیروں کے حکمرانوں کا مقابلہ کیا، وہ اس تلوار سے مسلح تھا جو ہمیشہ فتح مند رہتی تھی۔طوفان کے دیوتا کی اولاد نے آٹھوں جزیرے اس کے حوالے کر دیے، اور وہ سب کچھ بھی جو دکھائی دیتا تھا۔مگر انھوں نے غیر مرئی جہان اور طلسماتی قوتیں (برائی کی) اپنے پاس رکھیں۔اس وقت سے اب تک سورج دیوی کی اولاد ہمارے جزیرے پر حکمران ہے۔ ۱۵؎

یہ کہانیاں انسان کے ذہنی ارتقا کے ابتدائی دور کے شاہکار ہیں، کہ جب اس نے آگ کو اپنے لیے مفید پایا تو اس کے حصول اور دریافت کے حوالے سے مختلف کہانیاں تراشیں جو آگے چل کر مذہبی معتقدات کا حصہ بن گئیں۔نیز اس کے ساتھ بہت سے فلسفیانہ تصورات بھی وابستہ ہو گئے۔دنیا کے تمام خطوں میں آگ کے ساتھ تطہیر کا تصور بھی وابستہ ہے۔یوں آگ کا عنصر انسان کے لیے ایک پاک اور منزہ زندگی کی نوید دیتا ہے جسے حیاتِ نو سے تعبیر کیا جاتا تھا۔اس اعتبار سے ایرانی اور ہندوستانی اساطیر زیادہ قابلِ توجہ ہیں۔جہاں آگ بجائے خود ایک دیوتا کا درجہ رکھتی ہے۔ایرانی اساطیر کے مطابق آگ اگرچہ اتفاقاً دریافت ہوئی، مگر اس میں بھی ایک راز پوشیدہ تھا۔ڈاکٹر محمد جعفر یاحقی کے بقول:

''در ایران، پیدائشِ آتش را بہ ہوشنگ نسبت دادہ اند۔بہ روایتِ شاہنامہ (۱/۳۳) روزی ہوشنگ بہ شکار رفتہ بود۔ برسرِ راہِ خود، ماری را دید۔چون این جانور را تا آن روز نمی شناختند۔

برای کشتن او سنگی را پرتاب اما بقولِ فردوسی:

نشد مار کشته ولیکن ز راز
پدید آمد آتش از آن سنگ باز

ہوشنگ بہ شکرانۂ این فروغ ایزدی جشنی را ساخت، کہ ہر سال در آن روز و شب آتش
بر می افروختند و سدہ نام یافت'' ۱۶؎

ایران میں ایک اور روایت کے مطابق آگ کے حصول کو درختوں سے بھی وابستہ کیا گیا ہے۔ یہ تصور اہلِ یونان، نیوزی لینڈ اور جزیرہ ہوائی کی دیو مالا میں بھی پایا جاتا ہے۔ ایران میں آگ کو ''اہورا مزدا کے بیٹے'' اور ''دخترِ پروردگار'' کے طور پر جانا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ آگ کو انسان اور یزداں کے درمیان رابطے کا ذریعہ اور مظہرِ ربانیت بھی خیال کیا جاتا تھا۔ اس کا شعلہ نورِ خدا کی یاد دلاتا ہے، لہٰذا یہ شعلہ لکڑی اور عطر کے ذریعے بہت سے آتش کدوں میں فروزاں رہتا تھا، اور بے حد لائقِ احترام سمجھا جاتا تھا۔ ایران میں اس کے احترام کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ پانی کی طرح یہ بھی موجد و مولدِ حیات ہے۔ یہ انسان کی بہترین معاون اور مددگار ہے۔ اشیاء کی تطہیر کرتی ہے اور انسان کو درندوں کے حملوں سے محفوظ رکھتی ہے۔ زرتشت مذہب کی مقدس کتاب ''اوستا'' میں آگ کی پانچ قسمیں بتائی گئی ہیں۔ پہلی قسم کی آگ کو ''آتشِ بزرگ'' کہا گیا ہے اور یہ آتشِ بہرام کے نام سے بھی مشہور ہے، اور سب آتش کدوں میں جلائی جاتی ہے۔ دوسری قسم کی آگ وہ ہے جو جانوروں اور جسمِ انسانی میں موجود ہے۔ تیسری قسم کی آگ درختوں اور لکڑیوں میں پائی جاتی ہے۔ چوتھی قسم کی آگ بادلوں میں پنہاں ہے اور برق کی صورت میں ظہور پذیر ہوتی ہے، جب کہ پانچویں قسم کی آگ آسمانوں پر ہمیشہ ''اہورا مزدا'' کے مقابل موجود ہے، یعنی نور۔ زرتشت مذہب کی تعلیمات کے مطابق آگ خدائی نور کی بہترین مثال ہے۔ بشیر احمد ڈار لکھتے ہیں:

''زرتشت کے نزدیک آگ خدائی نور کی بہترین مثال ہے۔ تاریخی طور پر تقریباً ہر مذہب میں خدا کو آگ یا نور سے تشبیہ دی گئی ہے۔ حضرتِ موسیٰؑ کو خدا کی تجلی کا مشاہدہ آگ ہی کے ذریعے ہوا تھا۔ اور قرآن میں خدا کے لیے بہترین مثال آگ ہی ہے۔'' ۱۷؎

زرتشتی مذہب میں آگ کی مثبت خصوصیات سے زیادہ تاثر کا اظہار کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایرانی اساطیر میں آگ سے خوف کی بجائے ستائش اور محبت کے جذبات پائے جاتے ہیں۔

ایرانی اور ہندوستانی اساطیر میں آگ سے متعلق تصورات میں بہت سی مماثلتیں پائی جاتی ہیں۔ ہندوستانی دیو مالا میں اسے ''اگنی دیوتا'' کا نام دیا گیا ہے۔ اس دیوتا کے تین سر اور چار یا سات ہاتھ ہیں۔ اس کے ساتھ اکثر ایک مینڈھا نظر آتا ہے، جس کے ہاتھ میں ایک شعلہ فشاں نیزہ ہوتا ہے، اس کی سات زبانیں ہیں جن کے الگ الگ نام ہیں، ان زبانوں کے ذریعے یہ دیوتا بھینٹ کیا ہوا گھی چاٹتا ہے، اس کے نورانی رتھ میں بہترین گھوڑے جتے ہوئے ہیں اور اس رتھ کو سرخ بازوؤں اور سنہری بالوں والا رتھ بان چلاتا ہے، ساتوں ہوائیں

اس رتھ کے بیٹے ہیں۔ ہندوستانی دیومالا کے مطابق بھی آگ پاک کرنے والی، انسان کی دوست اور محافظ ہے۔ایک اشلوک ملاحظہ ہو جس میں کم وبیش انہی اعتقادات کا اظہار کیا گیا ہے جو ایرانی اساطیر کے حوالے سے اوپر نقل کیے گئے ہیں۔

''اے اگنی اس لکڑی کے کندے کو قبول کر لے جو میں پیش کرتا ہوں۔خوب دہک جا اور اپنا پاک دھواں اٹھنے دے۔بلند ترین آسمانوں کو اپنے ایال سے چھو لے، اور آفتاب کی کرنوں سے مل جا۔اے دولت کے دیوتا ہمارے دشمنوں کو ہم سے دور کر، آسمان سے پانی برسا اور اکل وشرب کی چیزیں بے انتہا عطا کر۔اے دیوتاؤں میں سب سے کم سن اور ان کا پیامبر، تو دیوتاؤں اور انسانوں کے بیچ میں ہے۔اور درختوں کا ہوا خواہ ہے'' (دوم۔٦) ۱۸

ہندی دیومالا کے مطابق انسان ان اشیاء اور ہستیوں میں ممتاز ہے جن کو اس کی دوستی کا فخر حاصل ہے۔ ہندوستانی آریہ اگرچہ اپنے دیوتاؤں کے ساتھ یگانگت کا برتاؤ کرتے تھے، مگر غیر فانی ہستیوں میں ایک اگنی ہی ہے جس کو وہ اپنا بھائی کہتے تھے۔مثلاً ایک اشلوک میں کہا گیا ہے ''باپ آسمان، بے لاگ ماں زمین، اگنی بھائی ہم پر مہربان ہو۔'' ۱۹

ایک اور اشلوک میں کہا گیا ہے

''انسان کا وہ دوست ہے، کسی انسان کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔وہ ہر خاندان میں تھا'' ۲۰

ان تصورات کے مطابق اگنی انسان کا قریبی دوست ہے، جو اس کے گھر میں بھی اس کے ساتھ ہے، اور عبادت گاہ میں بھی، جو بڑے دیوتاؤں اور اس کے درمیان رابطے کا ذریعہ ہے۔وہ روزمرہ کاموں میں اس کا معاون ہے۔وہ گھر کے آتش دانوں کو اپنی موجودگی سے پاکیزہ بناتا ہے۔بعض مقامات پر اگنی سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ اندھیرے کے بھوتوں کو اپنے ڈندے سے منتشر کر دے، اور کہیں لکھا ہے کہ وہ دنیا کو ہزار آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ایک مقام پر تو گھر کی آگ اور پوجا کی آگ کو آفتاب کا مظہر بھی قرار دیا ہے۔اکثر مقامات پر بیان کیا گیا ہے کہ اگنی کے تین مساکن ہیں، زمین پر وہ آگ ہے، آسمان میں سورج اور بادلوں میں بجلی۔ایرانیوں کی طرح ہندوستانی آریا بھی یہ خیال کرتے تھے آگ نہ صرف پانی میں ہے بل کہ نباتات میں بھی ہے۔اس سوال کا جواب کہ آگ پانی میں کس طرح آئی، ہندوستانی آریاؤں کے نزدیک یہ تھا کہ آسمان سے آگ بارش کے پانی کے ساتھ آتی ہے، بارش کے ساتھ آگ نہ صرف زمین پر اترتی ہے بل کہ اس میں داخل بھی ہو جاتی ہے۔اور پھر نباتات کو زندگی عطا کرتی ہے۔

''اس کی سڑک وہ طوفان ہے جو خشک میدانوں کو تر وتازہ کرتا ہے۔وہ زمین پر صاف پانی کے ساتھ آتی ہے۔پرانی لکڑیوں کو کھا جاتی ہے اور نئے پودوں میں گھس جاتی ہے۔'' ۲۱

آگ کی دریافت کے حوالے سے ہندوستانی دیومالا میں جس شخصیت کا نام آیا ہے وہ ''ماتر شون'' ہے۔اس کی اصلیت کا تذکرہ کہیں نہیں ملتا، البتہ کہا جاتا ہے کہ وہ اگنی کو آسمان سے بہت دور دیوتاؤں سے لایا اور تحفے کے طور پر ''بھرگو'' کے سپرد کر دیا، جو انسانوں سے ملتی جلتی ایک پراسرار قوم ہے۔انھوں نے اس کو کچھ دن جنگلوں میں مخفی رکھا اور بعد میں انسانوں کے حوالے کر دیا۔ان کے نزدیک آگ سورج یا آسمانی بجلی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور زمین پر آ کر پانی اور نباتات میں گھس جاتی ہے، اور ان سے باہر نکلنے کی خواہش مند ہوتی ہے آگ کے پانی اور نباتات میں مخفی ہونے کا خیال اس سختی سے ان کے ذہنوں میں جم گیا تھا کہ وہ ہمیشہ یہ سمجھتے تھے کہ اگنی چھپا ہوا تھا اور اسے پوشیدہ مقام سے نکالا گیا۔آگ کے آسمان میں پیدا ہونے اور زمین پر اترنے کے بارے میں آریاؤں کو کوئی شبہ نہ تھا۔خواہ وہ سورج یا آسمانی بجلی کی صورت میں ظاہر ہو یا پانی اور نباتات میں مخفی ہو، اور ان سے نکلنا چاہتی ہو۔ انسانی جسم کی حرارت، اس کے اندر اگنی کے وجود کا ثبوت ہے، اور کہا جا سکتا ہے کہ اگنی انسان کے جسم میں بھی ایسے ہی داخل ہوتی ہوگی جیسے کہ نباتات میں۔ایک امکان یہ بھی ہے کہ اگنی انسانی جسم میں ان نباتاتی اشیا کے ذریعے داخل ہوتی ہے جو وہ کھاتا ہے۔اور یوں حیات کی یہ چنگاری نسلاً بعدِ نسل بنی نوعِ انسان میں باقی رہتی ہے، اور موروثی ہو جاتی ہے۔اس بحث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کے نزدیک بھی آگ کی پانچ حیثیتیں ہیں۔

۱۔آسمان پر آفتاب ہے
۲۔زمین پر گھر کی آگ ہے
۳۔کرۂ زمہریر پر برق ہے
۴۔قربانی کی آگ ہے

اور اس کی پانچویں حیثیت یہ ہے کہ مردوں کو خاکستر کر دیتی ہے۔ان کے نزدیک آگ کے شعلے جس چیز کو مس کرتے ہیں وہ پاک اور طاہر ہو جاتی ہے۔وہ مردوں کو جلانے کی آگ کو دیگر تمام اقسام کی آگ سے الگ رکھتے تھے۔اس کو کبھی بھی گھر یا قربان گاہ میں نہیں لے جایا جاتا تھا۔وید کے ایک بھجن میں شاعر نے اگنی کے کئی جنموں (پانی سے، بادل سے، درختوں سے، بوٹیوں سے) کو بیان کرنے کے بعد یکے بعد دیگرے اسے ہر دیوتا سے متحد بتایا ہے۔ایک اور عارفانہ بھجن کی اشلوک ۴۶ میں لکھا ہے

> ''لوگ اسے اندر، مترا، اور راون کہتے ہیں۔وہی خوبصورت پروں والی خوب صورت چڑیا ہے۔وہ جو ایک ہے عقلمند اسے کئی ناموں سے یاد کرتے ہیں۔وہ اسے اگنی، مایا اور متراوشنا کہتے ہیں'' ۲۲

اے راگوزن کے بقول

> ''رگ وید کی فطرت پرستی، اور عالم، اور نظامِ عالم کا جو تخیل اس میں موجود ہے، ان کا دارومدار مناظرِ فطرت کے دو سلسلوں پر ہے۔یعنی نور (جس میں حرارت بھی شامل ہے، مگر اس کا ذکر آخر

عہد میں ہے)، اور رطو بتجو اگنی اور سوما میں مضمر ہے، اور جب تک ہم اگنی کو صرف آگ سے متعلق سمجھیں گے، ہم اس کے اصل جوہر کو نہیں سمجھ سکتے، کیوں کہ اگنی دراصل نور ہے، وہ نور جس سے فضا بھری ہوئی ہے۔ اور جس کا اعلیٰ ترین مسکن اس ازلی پراسرار عالم میں ہے، جو آسمانوں سے اوپر اور فضا سے ماورا ہے۔ جہاں تمام اشیا کا مخفی سرچشمہ ہے، وہ مقدس ترین مقام جو نافِ عالم ہے۔ ''جہاں دن رات دو بہنیں ہیں علیحدہ رہنے کے بعد پھر سے ملتی ہیں اور ایک دوسرے کا بوسہ لیتی ہیں۔'' (یکم ۱۸۵۔۵) اس آسمانی دنیا سے اگنی نیچے اتر تا ہے۔ وہ آسمان میں پیدا ہوتا ہے اور پایا جاتا ہے بطور آفتاب کے، کرۂ ہوا میں بطور برق کے، اور زمین پر آگ کی شکل میں' ۲۳

یوں اگنی سے مراد وہ نورِ ازلی ہے جو تمام دیوی دیوتاؤں کو اپنے محیط میں لیے ہوئے ہے۔ مختلف مذاہب میں آگ سے متعلق تصورات سے اندازہ ہوتا ہے کہ نور و حرارت کا یہ مرکب اپنی نورانی حیثیت میں نورِ ازل پر دلالت کرتا ہے، اور حرارت، حیات پر، نیز اس کی حرارت ناپاک اشیا کی تطہیر کرتی ہے اس اعتبار سے اگر قرآنی تصورات کا جائزہ لیا جائے تو کم وبیش یہی نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ قرآن میں آگ کا ذکر روشنی کے حوالے سے بھی آیا ہے اور اور آتشِ جہنم کے حوالے سے بھی۔ مگر زیادہ معتبر اور قابلِ توجہ حیثیت نورانی ہی ہے۔ مثلاً پارۂ اول، سورۂ بقرہ ایسے لوگوں کے بارے میں جو دوسروں کو تو نصیحت کرتے ہیں مگر خود عمل پیرا نہیں ہوتے، ایک تمثیل کے ذریعے تبصرہ کیا گیا ہے۔

مثلھم کمثل الذی استوقد نارا فلما اضاءت ماحوله ذھب الله بنورھم و ترکھم فی ظلمٰت لا یبصرون

ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی اور جب آگ نے ہر طرف اجالا کر دیا تو اللہ نے ان کی روشنی کھو دی اور ان کو ایسی تاریکیوں میں چھوڑا کہ کچھ دیکھتے ہی نہیں'

انسان کی آگ سے آشنائی کے حوالے سے پارہ ۲۳ میں سورۂ یاسین کی ایک آیت میں اشارہ ملتا ہے ارشاد ہوتا ہے

الذی جعل لکم من الشجر الاخضر نارا فاذا م انتم منه توقدون

''جس نے تمہارے لیے ہرے درخت سے آگ پیدا کر دی۔ اب تم اسی سے سلگاتے ہو'

آگ کے غیظ اور تباہ کن خصوصیت کے حوالے سے آتشِ دوزخ کا ذکر قرآن مجید میں تواتر سے آیا ہے۔ آگ کی نورانی حیثیت کے حوالے سے بہت سی آیات موجود ہیں مثلاً ہدایت، صحائفِ آسمانی اور علم کے لیے نور کی مثال لائی گئی ہے، جب کہ سورۂ نور میں نورِ خدا کے حوالے سے ایک آیت میں ارشاد ہوتا ہے

الله نور السمٰوات الارض مثل نوره۔ کمشکوة فیھا مصباح المصباح فی ذجاجه الذجاجه کانھا کوکب درّی یوقد من شجرة مبٰرکة

زیتونہ لا شرقیہ و لا غربیہ یکاد زیتھایفی ولو لا تمسسہ نار نور علی نور
لھدی اللہ نور من یشآ و یضرباللہ الامثال للناس وللہ بکل شی علیم

''اللہ آسمانوں اور زمین کا روشن کرنے والا ہے۔اس کے نور کی مثال اس روشن دان کی سی ہے جس میں ایک زبردست چراغ ہو۔وہ چراغ ایک شیشے کی قندیل میں ہو، جیسے ایک چمکتا ہوا تارا، اور زیتون کے مبارک تیل سے روشن ہو، جو نہ مشرقی ہے اور نہ مغربی۔قریب ہے کہ اس کا تیل خود بخود روشن ہو جائے، مگر آگ اس کو نہ چھوئے۔وہ نور بالائے نور ہے۔اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے نور کی راہ بتلا دیتا ہے، اور اللہ آدمیوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے، اور اللہ ہر چیز کا پورا پورا جاننے والا ہے۔''

ایک موقع پر حضورِ اکرمؐ ذاتِ مبارک کو روشن چراغ سے مثال دی گئی ہے۔

یا ایھا النبی انا ارسلنٰك شاھد ا و مبشرا ونذیرا و داعیا الی اللہ و سراجا منیرا

''اے نبی ہم نے تم کو گواہ، اور خوش خبری دینے والا، اور ڈرانے والا، اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشنی پہنچانے والا چراغ بنا کر بھیجا ہے۔''

تصوف میں بھی اس عنصر کی مدد سے کتنی ہی تمثیلیں بیان کی گئی ہیں۔شمس الرحمٰن فاروقی نے مشرق و مغرب کے صوفیوں اور قدیم علامتی فکر سے آگ کے مختلف علامتی مفاہیم بیان کیے ہیں، وہ لکھتے ہیں

الف۔آگ زندگی کا سرچشمہ ہے۔آگ شاداب ہے (گلزارِ خلیلؑ) آگ شادابی کی ضد ہے، آگ سرخ ہے، سفید ہے،

سیاہ ہے، نیلی ہے۔موت سرخ ہے، سفید ہے، سیاہ ہے۔زندگی سرخ ہے (خون کی سرخی)، سفید ہے، (صبح کی سفیدی) سیاہ ہے، موت ہے، حیاتِ دنیوی ایک طرح کی موت ہے۔

ب۔آگ بے قراری، وحشت۔آگ روشنی، بے قراری، وحشت۔وحشت، جنون۔جنون علم کی (عقلی علم کی) ضد ہے۔لہٰذا آگ، وحشت، سیاہی (روشنی کا نہ ہونا، علم کا نہ ہونا)

ج۔آگ خود سے اوپر اٹھ جاتی ہے، پرواز کناں ہے، لطیف ہے۔اور بے کسی سہارے کے اوپر اٹھ جاتی ہے، پرواز کناں

ہے، لطیف ہے، لہٰذا آگ، روح۔

د۔آگ، حرارت، زندگی۔حرارت، قوتِ تخلیق، علم۔قوتِ تخلیق، جنسی قوت کی اصل ہے۔آگ جنسی قوت

ہ۔ آگ، روشنی، زندگی، لیکن روشنی جلاتی بھی ہے۔لہٰذا آگ، روشنی، موت۔زندگی، وجود، روشنی، لیکن زندگی،

روشنی، آگ، موت، لہٰذا عدم وجود

ز۔ سورج آسمان، آگ، خلاقانہ قوت، نظامِ فکرت، شعور (فکر، تنویرِ فکر، عقل، روحانی معرفت)

ط۔ آگ، سفیدی، وہ الوہیت جو محیطِ کل اور نا قابلِ فہم ہے۔

ی۔ نورِ الٰہی انسان کی روح پر منعکس ہوتا ہے، کبھی لمحہ بھر کے لیے، کبھی دیر تک، پھر ایک موقع وہ آتا ہے جب روح

اس میں غرق ہو جاتی ہے، ان مدارج کو صوفیوں نے

ا۔ لوائح (جھلملاہٹیں)

۲۔ لوامع (کوندے) اور

۳۔ تجلی کا نام دیا ہے۔ حضرتِ عیسیٰ کو تجلی کا دیدار نصیب ہوا تھا، جو آگ کی شکل میں تھی۔

ر۔ اللہ کے نفخ سے روحِ انسانی کے اندر اشتعال پیدا ہوتا ہے، اور وہ آگ بن جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ نے حضرتِ

موسیٰؑ سے آگ ہی کی صورت میں کلام کیا۔ [۲۴]

آگ کے حوالے سے موجود اساطیری اور بعد ازاں مذہبی تصورات میں عالمی سطح پر ایک ہمہ گیر مماثلت پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قدیم انسان کی گزر اوقات زراعت پر تھی اور لامحالہ وہ کثرتِ پیداوار کا خواہش مند تھا۔ آگ اس ضمن میں اس کی معاون اور مددگار تھی۔ چناں چہ اس دور کے انسان کا یہ عقیدہ تھا کہ آگ کے سحر سے اس کی فصلوں پر ہونے والے برے اثرات زائل ہوں گے، اور وہ فصلوں کو زرخیز بنائے گی۔ زرخیزی میں اس معاونت کے سبب آگ تہذیبِ انسانی میں کلیدی حیثیت اختیار کر گئی۔ مشرق و مغرب کی تہذیبوں میں انسان آگ کے ان فیوض و برکات کا ذکر کرتے، اس کی تعریف میں نغمات تخلیق کرتے اور خوش ہوتے۔ آگ سے زیادہ سے زیادہ فیض یاب ہونے کے لیے جشن برپا کرتے، مذہبی رسوم ادا کرتے، اور ان کے ذریعے آگ سے زرخیزی اور افزائش کے طلبگار ہوتے۔ یورپی علاقوں میں حضرتِ عیسیٰؑ کے دور سے پہلے یہ رواج رہا ہے کہ سال کے بعض خاص دن الاؤ جلانے اور ان کے گرد ناچنے کے لیے مختص تھے۔ اسی طرح یورپ کے آتشی تہوار بہت مشہور تھے۔ جن میں آگیں جلائی جاتی تھیں۔ مثلاً لینٹ کی آگیں، ایسٹر کی آگیں، بیلیٹن کی آگیں، گرمائی آگیں، شبِ اولیاء کی آگیں، سرمائی آگیں، اور ہنگامی آگیں وغیرہ بہت مشہور تھیں۔ لینٹ کے پہلے اتوار کو آگیں روشن کرنے کی روایت شمالی فرانس، بیلجیم اور جرمنی کے بعض حصوں میں موجود تھی۔ طریق کار یہ تھا کہ لینٹ کے پہلے اتوار کو لوگ مشعلیں لے کر گھومتے تھے۔ اور یہ خیال کرتے تھے کہ اس عمل سے باغوں کو بڑا فائدہ ہوتا ہے اور پیاز کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ بعض مقامات پر اس موسم میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر مشعلیں روشن کی جاتی تھیں، اور لوگ انھیں لے کر گاؤں کے ہر گھر جاتے تھے، اور بھنے ہوئے مٹر طلب کرتے تھے، اور جن لوگوں کی شادیاں اسی سال ہوئی ہوتیں، انھیں

رقص پر مجبور کرتے تھے۔سوئٹزر لینڈ میں لینٹ کی پہلی اتوار کی شب کو'' چنگاریوں والا تہوار'' منایا جاتا تھا۔لوگوں کا خیال تھا، جتنے زیادہ الاؤ روشن ہوں گے، فصلیں اتنی ہی اچھی ہوں گی۔

> جیمز فریزر کے مطابق یورپ میں ایسٹر کی شب گرجا گھروں میں تمام بتیاں گل کر دی جاتی ہیں، اور پھر فولاد اور چقماق یا آتشی شیشے سے ازسرِ نو آگ روشن کی جاتی ہے۔شمالی اور وسطی جرمنی میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر کسان بڑے بڑے الاؤ روشن کر دیتے تھے۔ان کے عقیدے کے مطابق ان الاؤوں کی روشنی جہاں تک جاتی ہے کھیتوں کو زرخیز کر دیتی ہے۔اور جن مکانوں پر اس کا پرتو پڑے گا وہ آتش زدگی اور بیماری سے محفوظ رہیں گے۔ ۲۵

> ایشیاء میں جاپان ایسا ملک ہے جس میں تہواروں کے موقعے پر آگ روشن کی جاتی ہے، کیوں کہ جاپان کے مقامی مذہب شنتو ازم کی تعلیمات کے مطابق آگ اشیا کی تطہیر کرنے والا عنصر ہے۔کیوٹو کے قریب کراما گاؤں میں ۲۲ اکتوبر کو آگ کا تہوار منایا جاتا ہے۔اس تہوار میں بچے ، جوان، بوڑھے سب مشعلیں جلاتے ہیں۔اسی طرح ٹوکیو'' اتاباشی'' کے'' سوا'' مندر میں چاول کے دیوتا کو خوش کرنے کے لیے تہوار منایا جاتا ہے، جس میں مختلف قسم کے رقص کیے جاتے ہیں، اور آخر میں ایک بڑی آگ روشن کی جاتی ہے اور ڈھول بجائے جاتے ہیں۔یہاں بھی آگ کی ایک خصوصی معنویت ہے، کہ آگ فصلوں کی ہر طرح سے تطہیر کر کے زیادہ سے زیادہ اناج پیدا کرنے میں مدد دے گی۔پھر آخر میں ایک بڑی آگ روشن کی جاتی ہے۔یعنی یہاں بھی آگ کی وہی خصوصی معنویت ہے کہ وہ فصلوں کی ہر طرح سے تطہیر کر کے زیادہ سے زیادہ اناج پیدا کرنے میں مدد دیتی ہے۔ ۲۶

اس بحث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ انسان ابتدا ہی سے آگ کے حوالے سے محبت اور شکر گزاری کے جذبات رکھتا ہے۔آگ سے وابستہ اس قدیم تصور نے اجتماعی انسانی لاشعور کو حد درجہ متاثر کرتے ہوئے اس میں مستقل جگہ بنالی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہر علاقے اور ہر زمانے کے زبان و ادب میں آگ اور اس کے متعلقات کے استعمال سے معنویت اور تاثیر کے نت نئے در وا کیے گئے ہیں۔مختار صدیقی نے اپنی ایک نظم'' آگ طلعتِ نار'' میں آگ کی اہمیت اور ذہنِ انسانی کی اس سے وابستہ مختلف حیثیتوں کا بڑا اچھا احاطہ کیا ہے

آگ میں آگ ہوئے تو ہم نے آگ کا جوہر وا دیکھا
آگ تپش اور آگ ہی تابش وہ میری یہ پیاروں کی
آگ میں جل کر پاک ہوئے تو آگ کو فیض نما دیکھا
آگ ہی سے تو قدر ہوئی دل والوں کی مہ پاروں کی

آگ وہ طلعت،آپ جلے تو اور کسی کو جلا بھی سکے
آگ وہ نور ظہور کہ جس نے طور بنایا سینوں کو
آگ وہ جو ہر چاہے جسے اکسیر اسی کو بنا بھی سکے
آگ گداز اور آگ جلا ہے سینوں کے آئینوں کو
آگ اور نور میں دیکھنے کو بس ایک تپش کا بل دیکھا
نور سے ہے سنجوگ دلوں کا آگ بنا بیراگ نہیں
صبح ازل شب وادیِ ایمن نور کی آگ میں جل دیکھا
آگ سے نور جدا نہیں ہوتا،نور بنا کوئی آگ نہیں ۲۷

حوالہ جات:

1. Wilson Knight.the wheel of the fire.London.Methuen&co ltd 1978 .p.102
2. Wilson Knight.the wheel of the fire.London.Methuen&co ltd 1978 .p.101

۳۔ میر ببر علی انیس۔منتخب مراثیِ انیس۔سید مرتضیٰ حسین فاضل (مرتب)۔لاہور:مجلسِ ترقیِ ادب،جون ۲۰۰۰ء،ص۲۵۲

۴۔ مرزا اسداللہ خان غالب۔دیوانِ غالب۔مالک رام (مرتب)۔لاہور:رابعہ بک ہاؤس،بخشی مارکیٹ ،س ن،ص۷۵

5. Schimmel,Annemarie. A dance of sparks.New Delhi.Vikas publishing house.pvt.ltd.P 73

۶۔ مرزا اسداللہ خان غالب۔دیوانِ غالب۔مالک رام (مرتب)۔لاہور:رابعہ بک ہاؤس،بخشی مارکیٹ،س ن،ص۱۶۵

۷۔ ولی۔دیوانِ ولی۔ابراہیم حیدر سایانی (مرتب)۔دہلی:جید پریس،س ن،ص۲۶

۸۔ ولی۔دیوانِ ولی۔ابراہیم حیدر سایانی (مرتب)۔دہلی:جید پریس،س ن،ص۳۹

۹۔ میر تقی میر۔کلیاتِ میر۔ڈاکٹر عبادت بریلوی (مرتب)۔کراچی:اردو دنیا،فروری ۱۹۵۸ء،ص۱۰۳

۱۰۔ خواجہ میر درد۔دیوانِ درد۔لاہور:مجلسِ ترقیِ ادب،(طبعِ اول)،فروری ۱۹۶۲ء،ص۱۷۴

۱۱۔ آزو چوہدری۔دیو مالائی جہان۔عظیم اکیڈمی ۱۹۸۹ء،ص ۷۳

12. Boris Artzbasheff. Myths of the world .New York.The universal library Grosset &Dunlap P; 245-248

۱۳۔ آزو چوہدری۔دیو مالائی جہان۔عظیم اکیڈمی ۱۹۸۹ءص ۱۴۵ ۔۱۴۶

14. Boris Artzbasheff .myths of the world.New York.The universal library Grosset &Dunlap p.66

15. Boris Artzbasheff .myths of the world.New York.The universal library Grosset &Dunlap p 145-148

۱۶۔ دکتر محمد جعفر یاحقی۔فرہنگِ اساطیر و اشاراتِ داستانی در ادبیاتِ فارسی۔تہران:مؤسسہ مطالعات و تحقیقاتِ فرہنگی۔۱۳۲۹ش،ص ۳۲

۱۷۔ بشیر احمد ڈار۔حکمائے قدیم کا فلسفہ۔لاہور:ثقافتِ اسلامیہ،ص ۱۳۵

۱۸۔ اے را گوزن۔ویدک ہند۔مولوی حمید احمد خان (مترجم)۔حیدرآباد:جامعہ عثمانیہ،۱۹۲۳ء،ص ۱۰۰

۱۸۔ کتابِ مذکور،ص ۱۰۲

۱۹۔ ایضاً

۲۰۔ ایضاً ۱۰۵

۲۱۔ ایضاً ۳۳۱

۲۲۔ ایضاً ۱۳۳

۲۳۔ شمس الرحمان فاروقی۔شعرِ شور انگیز۔جلد سوم،ترقیِ اردو بیورو:دہلی۔جولائی،ستمبر ۱۹۹۲ء،ص ۶۰۵

۲۴۔ جیمز فریزر،شاخِ زریں۔ذاکر اعجاز (مترجم)۔لاہور:مجلسِ ترقیِ ادب،۱۹۶۵ء،ص ۵۵۲۔۵۵۶

۲۵۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری،ن۔م راشد کی شاعری میں آگ کی علامت۔ص ۸۔۹

۲۶۔ مختار صدیقی۔آثار۔لاہور:ماورا پبلشرز،فروری ۱۹۸۸ء،ص ۱۰

مآخذ:

۱۔ آرزو چوہدری،دیو مالائی جہان،م۔ن۔عظیم اکیڈمی،۱۹۸۹ء۔

۲۔ اے را گوزن،حمید احمد خان،مولوی،مترجم،ویدکِ ہند،حیدرآباد،جامعہ عثمانیہ،۱۹۲۳ء۔

۳۔ بشیر احمد ڈار،حکمائے قدیم کا فلسفہ،لاہور،ثقافت اسلامیہ،۱۹۲۳ء۔

۴۔ جیمز فریزر،مترجم،ذاکر اعجاز،شاخ زریں،لاہور،مجلس ترقی ادب،۱۹۶۵ء۔

۵۔ شمس الرحمٰن فاروقی،شعر شور انگیز،جلد سوم،دہلی،ترقی اردو بیورو،جولائی ستمبر ۱۹۹۲ء۔

۶۔ محمد جعفر یاحقی،دکتر،فرہنگ اساطیر و اشارات داستانی در ادبیات فارسی،تہران موسسہ مطالعات وتحقیقات فرہنگی ۱۳۲۹ش۔

۷۔ مرزا اسداللہ غالب،مرتب، مالک رام،دیوان غالب،لاہور،رابعہ بک ہاؤس،س۔ن۔

۸۔ میر ببر علی انیس،مرتضیٰ حسین فاضل،سید،مرتب،منتخب مراثیِ انیس ،لاہور،مجلس ترقی ادب، جون ۲۰۰۰۔

۹۔ ولی،مرتب،ابراہیم حیدر رسایانی،دیوانِ ولی ،دہلی،جید پریس،س۔ن۔

۱۰۔ Schimmel,Annemarie. A dance of sparks.New Delhi.Vikas publishing house.pvt.ltd.P 73

۱۱۔ Wilson Knight.the wheel of the fire.London.Methuen&co ltd 1978 .p.102